Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 4, Issue 3
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹرارشادبیگم
سینئرانسٹرکٹرشعبہ اردو، نمل،اسلام آباد

نسائی ادب اور علامہ راشدالخیری: منتخب ناولوں کے نسوانی کرداروں کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ

Dr Irshad Begum
Senior Instructor ،Department Of UrduNUML Islamabad

Feminist Literature And Allama Rashid Al-Khairi: Research And Critical Study Of Female Characters In Selected Novels

Allama Rashid Al-Khairi is like a shining star of Urdu literature who spreads twinkling light all around him. His favorite subject regarding "feminine ism". Allama Rashid al-Khairi is the pioneer in Urdu literature regarding “Feminism”. He not only targeted the plight of Muslim women. He made Deputy Nazir Ahmed his pioneer in the field of social reforms and women's reform. Rashid al-Khairi did not like English civilization. The main feature of Allama Rashid Al-Khairi's novels is the description of the oppression of Muslim women. In these three novels, named “Sham e Zindagi”, “Nuha e Zindagi”, and “Islah e Niswaan”, he portrays the poor and oppressed condition of Women in Muslim Society and its solution. He always proved the superiority of Eastern civilization through his writings and sought to reform the family system in the East. Through her writings, she sought to eradicate ignorance and narrow-mindedness in society and stressed the need to focus on girls' education. The fact is that the movement for social reform which was started by Nazir Ahmed, Allama Rashid Al-Khairi tried to bring it to completion.

Keywords: Allama Rashid Al-Khairi, Women Literature, Enlightenment, Women Rights, Feminism

کلیدی الفاظ: علامہ راشدالخیری۔نسائی ادب۔روشن خیالی۔ حقوق نسواں،تانیثیت

علامہ راشدالخیری اردوادب کے ایک ایسے روشن خیال ادیب تھے جنھوں نے عورت کو مظلوم بننے کے بجائے مضبوط بننے کی تلقین کی۔ تخلیقات کے حوالے سے ان کا پسندیدہ موضوع "نسائیت" ہے۔"نسائی ادب" کے لیے صدائے احتجاج بلند کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ علامہ راشدالخیری ہی وہ عظیم ادیب ہیں جو "نسائی ادب کے علمبردار ہیں۔انھوں نے نہ صرف مسلمان خواتین کی حالت زار کو اپنی عمیق نگاہوں کا ہدف بنایا بلکہ ان خامیوں کو منظر عام پر لانے کی کوشش کی جن کی بنیاد پر وہ اس ابتری کا شکار ہوئیں۔

علامہ راشدالخیری ایک مبلغ کے طور پر سامنے آئے۔انھوں نے اصلاح معاشرہ اور اصلاح نسواں کے معاملے میں ڈپٹی نذیر احمد کو اپنا پیش رو بنایا۔نسوانیت کے معاملے میں ان کی روشن خیالی مذہب اسلام کی دین ہے۔اسلام میں خواتین کو بہت سے حقوق سے نوازا گیا ہے علامہ نے نہ صرف ان حقوق کی نشاندہی کی بلکہ اپنے نسوانی کرداروں میں ان حقوق کے حصول کی لگن بھی پیدا کی۔انھوں نے اپنی تحریروں میں طبقہ نسواں پر ہونے والے مظالم پر کھلے دل سے اظہار خیال کیا ہے۔سید وقار عظیم کے مطابق:

"راشدالخیری کے ناول بظاہر نذیر احمد کی پیروی وتقلید اور ان کے مخصوص انداز کی صدائے بازگشت ہیں۔لیکن حقیقت میں انھوں نے ہماری ناول نگاری میں خاص معاشرے یا گروہ کی ہمدردانہ کی روش کی بنیاد ڈالی۔"1

1857 کی ناکام جنگ آزادی کے بعد جہاں مردوں کو جدید تعلیم سے روشناس کرانا ایک بہت بڑا محاذ تھا وہیں ایک المیہ یہ تھا کہ خواتین کی اکثریت جہالت کی بلندی کو چھو رہی تھی اور اس سے بھی بڑے رنج کی بات یہ کہ اسی جہالت کی بناء پر وہ فرسودہ عقائد و نظریات اور فضول رسم و رواج کو اپنا چکی تھیں۔ایسے دور میں سر سید احمد خان نے مسلمانوں کو تعلیم کے جدید تقاضوں سے آراستہ کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور اس کی توسیع و اشاعت کے لیے کئی منصوبے بنائے۔ڈاکٹر سلیم اختر کے مطابق:

"سر سید اور ان کے رفقائے کار کی جہد مسلسل سے تعلیمی، سماجی اور ادبی مورچے تسخیر ہوئے اور ان پر افکار نو کے پرچم لہرا دیے گئے۔انہوں نے بدلے ہوئے حالات حل جدید تعلیم میں تلاش کیا۔چنانچہ تعلیم کو قومی امنگوں کا آیئنہ دار بنانے کے لئے انہوں نے شدید مخالفتوں کے باوجود علی گڑھ میں جس درسگاہ کی بنیاد رکھی وہ ہندوستان میں ایک نیا تعلیمی تجربہ ثابت ہوئی اور بعد ازاں یونیورسٹی کے روپ میں پاکستان کی تحریک کے لئے سرگرم کارکن مہیا کرنے کا باعث بنی"۔2

سرسید کے رفقائے کار میں سب سے پہلے مولوی نذیر احمد نے تعلیم نسواں کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کیا ان کے بعد الطاف حسین حالی، سرشار، شرر، ہادی رسوا، پریم چند اور ان کے ہم عصروں نے اپنی تحریروں کے ذریعے نہ صرف خواتین کی تعلیم کی طرف توجہ دلائی بلکہ صنف نازک کے اندر مدت سے موجود سماجی و معاشرتی خامیوں کو بھی دور کرنے کی کوشش کی۔

علامہ راشدالخیری کی ناول نگاری کا آغاز انیسویں صدی کے آخری عشرے سے ہوتا ہے۔انھوں نے ناول نگاری کی صنف میں نذیر احمد کی تقلید کی اور ان کے روحانی وارث قرار پائے۔عورتوں کی اصلاح کا جو کام نذیر احمد نے شروع کیا تھا علامہ راشدالخیری نے اسے آگے بڑھایا۔راشدالخیری نے اصلاحی ناول لکھے اور اپنی تحریروں کے ذریعے معاشرے میں عورتوں کے ساتھ ہونے والے ظلم و جبر اور ناروا سلوک کے خلاف قلم اٹھایا۔انھوں نے اس دور کی عورت کی بے بسی اور مظلومیت کو اس دردانگیز پیرائے میں پیش کیا کہ مردوں کے دل بھی پسیج گئے۔اسی اسلوب نگارش کی وجہ سے انھیں ''مصورِ غم''کا لقب دیا گیا۔ڈاکٹر سہیل بخاری ڈاکٹر راشدالخیری کی خوبیٔ تحریر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مولانا کی تحریر میں بلا کا درد پایا جاتا ہے۔اردو ادب میں المیے کا آغاز انھیں سے ہوتا ہے۔انھوں نے عورتوں کے دکھڑے ایسے دردناک الفاظ میں بیان کیے ہیں کہ ان کا ہر ناول مرثیہ بن گیا ہے۔چنانچہ 1917ء جب ان کا ناول ''شامِ زندگی'' شائع ہوا تو قوم نے انھیں مصورِ غم کا لقب دیا"۔ 3

علامہ راشدالخیری کے ناولوں کی اہم خصوصیت مسلم خواتین کی مظلومیت کا بیان ہے ان کے ناولوں میں ''صبح زندگی''، ''شامِ زندگی''، ''شب زندگی'' اور ''نوحہ زندگی'' کافی اہمیت کے حامل ہیں۔انھوں نے دہلی سے ایک ماہنامہ ''عصمت'' جاری کیا جس کی اصلاحی، ادبی اور علمی خدمات سے انکار ممکن نہیں۔پروفیسر ہارون الرشید قمطراز ہیں:

"انھوں نے نذیر احمد (جو ان کے پھوپھا تھے) کی تقلید کی اور انہی کی طرح اصلاحی مقاصد کے تحت اور خاص طور پر عورتوں کی اصلاح و فلاح کے لیے متواتر ناول لکھے۔انھوں نے اپنے ناولوں میں بڑی خوبی سے مسلمان عورتوں کی مظلومیت اور ان کی بے بسی کی نقش گری کی اور ''مصورِ غم'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔" 4

علامہ نے اپنے ناولوں میں کوشش کی کہ عورت کی عظمت کو بلند کیا جائے اور لوگوں میں اس کے احساسات و جذبات کی ترجمانی کی جائے۔انھوں نے فرسودہ روایات جیسے بیوہ کا نکاحِ ثانی نہ کرنا یا عورتوں سے ناروا سلوک کرنا جیسے موضوعات کو چنا اور ان برائیوں کے خاتمے کی کوشش کی۔وہ نہ صرف ادب کے ذریعے معاشرتی روایات میں تبدیلی چاہتے تھے بلکہ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ لوگوں کی سوچ بدلے اور انسانی رویوں میں بہتری آئے۔انھوں نے اپنے ناول ''شامِ زندگی'' میں نسیمہ کے کردار میں ایک ایسی باشعور اور مہذب لڑکی کو پیش کیا ہے جس کی تربیت اس کی پھوپھی نے کی۔وہ ایک ایسے ماحول میں سانس لے رہی ہے جس میں بے شمار فرسودہ روایات موجود ہیں۔اس کا شوہر پڑھا لکھا ہونے کے باوجود فرسودہ روایات پر یقین رکھتا ہے۔نسیمہ آہستہ آہستہ ان روایات کو ختم کرنے کے لیے عملی قدم اٹھاتی ہے۔اس کردار کے ذریعے علامہ نے جن رسومات پر کاری ضرب لگائی ان میں شادی بیاہ اور مرگ کی رسومات اور بیوہ کا نکاحِ ثانی نہ کرنا شامل ہے۔" شامِ زندگی " میں کافی حد تک ناصحانہ انداز موجود ہے۔اس حوالے سے محمد احسن فاروقی لکھتے ہیں:

"وہ محض تبلیغ اور ریفارم کی خاطر تقریر، مباحثہ اور مکالمہ میں مصروف نظر آتے ہیں۔" 5

نسیمہ نے ساس کی وفات پر کھانے جیسی کئی غیر ضروری رسومات کو دلائل کے ساتھ رد کر کے ایک انقلابی قدم اٹھایا۔ نسیمہ نے اپنے شوہر قسیم کو عرب کے رسم و رواج بتاتے ہوئے کہا کہ عرب میں میت کے گھر تعزیت کو جانے والے اپنا کھانا اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اور صاحب خانہ کو بھی اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتے ہیں کیونکہ صدمہ میں وہ اس لائق نہیں ہوتا کہ گھر میں کھانے کا انتظام کر سکے۔ نسیمہ نے دلائل کے ساتھ شوہر کو سمجھایا کہ وہ انکار نہ کر سکا اور اس کی بات ماننے کو تیار ہو گیا۔ بقول مصنف:

"بیوی کی یہ تقریر خالی جانے والی نہ تھی۔ قسیم کے دل میں گڑ گئی۔ اس نے ایک ہزار نقد مسجدوں، مدرسوں اور انجمنوں، یتیم خانوں میں بھیج کر تنجن کو خاک میں ملا دیا اور بی نسیمہ کی بدولت اس رسم کا خاتمہ ہوا۔" 6

نسیمہ نے اپنی فہم و فراست سے اس دور کی خواتین کے شعور کو بیدار کیا اور انھیں توہم پرستی اور تعویذ گنڈوں جیسے بے بنیاد عقائد سے پاک کرنے کی کوشش کی۔ اسی طرح عورتوں میں ہسٹیریا کی بیماری کو جن بھوت کا سایہ سمجھنا بھی نسیمہ کے لیے خلافِ فطرت تھا۔ نسیمہ نے ایسی غیر ضروری مصروفیات سے عورتوں کو دور کیا اور ان کو مفید شہری بننے کے لیے شعورِ آگاہی بخشا اور تلقین کی کہ ایک اللہ سے رجوع کریں جو کہ اس دور میں کافی مشکل کام تھا کیونکہ معاشرہ بہت سے فرسودہ رسم و رواج کی دلدل میں پھنس چکا تھا۔ نسیمہ بے شمار خوبیوں کا مجسمہ ہے۔ اس کی ساس نے مرنے سے پہلے اپنی بہو کی تعریف کچھ اس انداز میں کی:

"تم بہو تھیں مگر بیٹیوں کی محبت دل سے بھلا دی تم جیسی عورت دنیا میں ناخوش نہیں رہ سکتی۔ خوش نصیب تھی وہ ساس جس کو تم جیسی بہو ملی اور بھاگوان ہو گا وہ گھر جس کی تم بیوی ہو گی۔ الٰہی دنیا کی بہاریں اور خوبیاں تمہارے واسطے ہوں اور جس طرح تم نے مجھ کو خوش رکھا اسی طرح تم خوش رہو۔"7

مولانا راشد الخیری عورتوں کے لیے مشرقی تعلیم و تربیت کے خواہاں تھے اسی لیے ان کے نسوانی کردار مشرقی تہذیب و تمدن کا پیکر نظر آتے ہیں۔ نسیمہ ایک ایسا مثالی کردار ہے جس کے ذریعے مولانا راشد الخیری غلط تصورات، توہم پرستی اور تعویذ گنڈوں کی مخالفت پر بڑے بڑے لیکچر دلاتے ہیں۔ وہ اپنے اس کردار کے ذریعے دراصل معاشرے میں موجود تمام برائیوں کا خاتمہ چاہتے تھے۔

نسیمہ ایک اہم انقلابی قدم بیوہ بہو کا نکاحِ ثانی کرنا تھا۔ نسیمہ نے اس دور میں اپنے بیٹے وسیم کی بیوہ یعنی اپنی بہو کا نکاح کیا جب بیوہ کا نکاحِ ثانی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ نسیمہ خود اپنے ہاتھوں سے بہو کو نہلا دھلا کر دلہن بناتی ہے اور کہتی ہے:

"بیٹی دنیا کا یہی دستور ہے۔ چند روز میں دنیا تم کو یہ صدمہ بھلا دے گی۔ گو میرا دل نہیں مانتا کہ وسیم کے بچے مجھ سے جدا ہوں لیکن دکھیاری کس دل سے تمہاری ممتا کو چھٹاؤں۔ اللہ تم کو اپنے بچے پالنے نصیب کرے۔ ہاں ان کو روزانہ میرے پاس بھیج دیا کرنا کہ ان کی صورتیں میرے زخم پر مرہم رکھیں گی۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ پرائی اولاد پرائی ہوتی ہے۔ ان کی ناز برداری دوسرا باپ کیوں کرنے لگا۔ یہ پچیس ہزار کی جائیداد جو مجھ کو مہر میں ملی ہے۔ ان بچوں کی پرورش کے لیے ان کے نام منتقل کرتی ہوں۔ تم سے بہتر اس کا امین کون ہو گا۔۔۔"8

یعنی نسیمہ ایک ایسی عظیم عورت تھی جس نے نہ صرف بہو کا نکاحِ ثانی کیا بلکہ پچیس ہزار کی جائیداد بھی بچوں کے نام منتقل کر دی جو کہ آج کے تہذیب یافتہ دور میں کوئی بھی ذی شعور ہونے کے باوجود شاید ہی ایسا انقلابی قدم اٹھا سکے۔

راشد الخیری کے اس ناول میں بہو کے نکاحِ ثانی کرنے کا خیال نذیر احمد کے ناول ''ایامی'' کی کڑی معلوم ہوتا ہے۔ البتہ نذیر احمد سے راشد الخیری تک آتے آتے بات اتنی آگے ضرور بڑھی ہے کہ ''ایامی'' میں آزادی بیگم نے زبانی اور تبلیغی سطح پر معاشرے کی فرسودہ رسم سے بغاوت کی جبکہ نسیمہ بیگم نے ایک قدم آگے بڑھ کر عمل کے ذریعے اس قبیح رسم کا قلع قمع کرتی ہے۔ اس دور کے لحاظ سے نسیمہ نے بہت بڑا انقلابی قدم اٹھایا اور یہی وہ تبدیلی تھی جو علامہ معاشرے میں لانا چاہتے تھے۔

''نوحہ زندگی'' میں راشد الخیری نے یوسف شاہی نامی خاندان کی کہانی بیان کی ہے جسے ہر مصیبت تو منظور ہے لیکن بیوہ کا نکاحِ ثانی منظور نہیں۔ اسی خاندان میں ایک لڑکی حشمت نامی جنم لیتی ہے جو تمام فرسودہ روایات کا نہ صرف بے باکی سے سامنا کرتی بلکہ ان کا قلع قمع کرنے کی سر توڑ کوشش کرتی ہے۔

حشمت کم سنی سے ہی اپنی بیوہ پھوپھی کے ساتھ ہونے والے مظالم دیکھتی آ رہی ہے۔ اس کا باپ قدیر اور ماں فیروزہ اس کی پھوپھی سے ناروا سلوک رکھتے ہیں۔ جہاں آراء دو بچوں کے ساتھ بیوہ ہو کر بھائی قدیر کے گھر آ گئی جہاں اسے الگ تھلگ کمرا دیا گیا اور زندگی کی تمام سہولیات اور آسائشیں روایات کے مطابق اس کے لیے حرام تھیں۔ یہاں تک توہم پرستی تھی کہ جب حشمت کو دلہن کے روپ میں دیکھ کر پھوپھی کمرے سے باہر آ گئی تو حشمت کی ماں اسے دیکھ کر شدید غصے میں آ گئی اور اسے پورا یقین تھا کہ نند دشمنی کی بنا پر باہر آئی ہے تاکہ حشمت کے زیور کو ہاتھ لگا کر اسے بھی بیوہ کر دے گی۔ جہاں آرا بھائی اور بھاوج کے اس سخت رویے سے تنگ آ کر بچوں سمیت خودکشی کر لیتی ہے۔

حشمت کی شادی ایک ادھیڑ عمر تھانیدار سے ہوتی ہے جو کہ پہلے سے شادی شدہ اور چار بچوں کا باپ ہے۔ پہلی بیوی اکثر بیمار رہتی ہے۔اس لیے اس نے دوسری شادی کی۔ خدا کی کرنی کہ کچھ عرصے بعد ہی تھانیدار فوت ہو جاتا ہے اور اس کا چھوٹا بھائی اپنی جوان بیوہ بھابھی سے شادی کا متمنی ہوتا ہے لیکن حشمت کے گھر والوں کو کون سے سمجھائے، وہ اس رشتے پر کبھی بھی رضامند نہیں ہو سکتے تھے۔

حشمت اور ہارون نے پوری کوشش کی کہ وہ مان جائیں لیکن جب وہ نہ مانے اور امید کی آخری کرن بھی ختم ہو گئی تو حشمت والدین کا گھر چھوڑ کر سسرال پہنچ جاتی ہے۔اور ہارون سے نکاح کر کے نہ صرف گھر والوں سے بلکہ معاشرے کی فرسودہ روایات سے بھی بغاوت کرتی ہے۔ شاید اس کی وجہ اس کی بیوہ پھوپھی کی بدحالی تھی۔ حشمت اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ بیوہ ہے اور گھر سے فرار ہو کر شادی کرنا شاید دنیا کے لیے پہلی مثال ہو گی اگر دنیا میں نہیں تو یوسف شاہیوں میں تو یقیناً پہلی مثال ہو گی۔

ناول کے اختتام پر حشمت مغرب کی نماز میں سجدہ ریز ہو کر اللہ سے دعا مانگتی ہے اور نماز ختم کرنے کے بعد اپنے ابا جان کو خط لکھتی ہے:

"ابا جان زندگی کی پہلی وداع وہ تھی جو آپ نے خود کی اور ہنسی خوشی ایک غیر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنے گھر سے رخصت کر دیا اور دوسری وداع یہ ہے جب میں شرع اسلام کے موافق عزیزوں کے تنگ خیال اور دنیا کی جھوٹی عزت پر لعنت بھیج کر اپنا نکاح خود کرتی ہوں............ میں جانتی ہوں کہ آپ اور آپ کے ہم خیال مجھ پر لعن طعن کریں گے لیکن وہ جن کو تھوڑی سی بھی عقل ہو گی اور اس سے کام لیں گے ضرور بالضرور میرے اس فعل کو سراہیں گے اور تعریف کریں گے۔ میرا نکاح معمولی کام نہیں یوسف شاہیوں میں نکاحِ ثانی کی بنیاد رکھتا ہے اور میں یہ تمام بدنامی صرف اس لیے گوارا کرتی ہوں کہ یوسف شاہی لڑکیاں بیوگی کی قید سے آزاد ہوں اور ماں باپ دیکھ لیں کہ جس طرح چیونٹی دب کر کاٹنے کو تیار ہو جاتی ہے اسی طرح بیوہ لڑکیاں اپنے باپ بھائی سے ناامید ہو کر اپنا نکاح خود بھی کر سکتی ہیں۔" 9

حشمت کا کردار بھی ایک ڈھلا ڈھلایا کردار ہے اور اس میں انقلابی عناصر خود مصنف کے داخل کیے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ دراصل یہ مصنف کا مؤقف ہے جسے اس نے ایک کردار کی شکل دی ہے اور اس کے اعمال و افعال سے اس مؤقف کو واضح کیا ہے۔ کردار نگاری کے حوالے سے اس میں کمزوریاں اور خامیاں موجود ہیں تاہم راشد الخیری نے اس میں معاشرے کی ایک غلط روش کے خلاف بڑی بھرپور آواز اٹھائی ہے اور یہ کردار ان کے اصلاحِ نسواں کے مشن کو آگے بڑھاتا نظر آتا ہے۔

راشد الخیری انگریزی تہذیب سے نفرت کرتے تھے انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے مشرقی تہذیب کی برتری کو ہمیشہ ثابت کیا اور خاندانی نظام کی اصلاح کی کوشش کی۔ انھوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے معاشرے میں موجود جہالت اور تنگ نظری کا خاتمہ کرنا چاہا اور لڑکیوں کی تعلیم پر توجہ دینے کی ضرورت پر زور دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اصلاح معاشرہ کی جو تحریک نذیر احمد نے شروع کی تھی علامہ نے اسے تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی۔

حوالہ جات

1۔ وقار عظیم، سید، داستان سے افسانے تک، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، طبع دوم 1966، ص 73

2۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1984، ص 191

3۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، ناول نگاری اردو ناول کی تاریخ تنقید، مکتبہ میری لائبریری لاہور، 1966ء، ص 163

4۔ پروفیسر ہارون الرشید، اردو کا جدید نثری ادب، احمد برادرز پرنٹرز، ناظم آباد کراچی، ص 173

5۔ محمد احسن فاروقی، ڈاکٹر، ناول کیا ہے، دردا کادمی، لاہور، 1964، ص 155

6۔ راشد الخیری، مجموعہ راشد الخیری، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 2004ء، ص 188

7۔ ایضاً ، ص 186

8۔ ایضاً، ص 278

9۔ ایضاً، ص 537-538